ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

نمرہ حنیف
پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر شائستہ حمید خان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
راؤ محمد عمر
ویزیٹنگ فیکلٹی، شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

نیلم احمد بشیر کے افسانوی مجموعے 'وحشت ہی سہی' کا تجزیاتی مطالعہ

Nimra Hanif
Research Scholar, Ph.D GC University, Lahore.
Dr. Shaista Hameed Khan
Assistant Professor, Department of Urdu, GC University, Lahore.
Rao Muhammad Umar
Visiting Faculty, Department of Urdu, GC University, Lahore.

Analytical study of Neelam Ahmed Bashir's short story collection "Wehshat Hi Sahi"

Neelam Ahmed Bashir is a prominent and versatile modern Urdu fiction Writer. She wrote and worked in different genres of literature. Her five short story books have been published. Her short stories portray realistic view of life. She is a keen observer of Life and society. This short story book, "Wehshat Hi Sahi" is fifth in row and published in 2013. Feminism, Class differences and discriminations and miseries of women in male dominant society are the main themes and motifs of short stories of this book. She also discussed the hardships and psychological problems of the people living in abroad. These Short stories are unique in diction and craft.

Keywords: *Neelam Ahmed Bashir, Short Stories, Fiction, Realism, Feminism, Urdu Literature, Psychology, Male dominance, Social issues.*

نیلم احمد بشیر ایک ہمہ جہت، فعال اور خود آگاہ ادبی شخصیت ہیں. انھوں نے بہ حیثیت ادیبہ افسانہ نگاری، کالم نگاری، خاکہ نگاری، ناول نگاری، سفرنانہ نگاری، ڈرامہ و مضمون نگاری، شاعری اور

تالیف میں بھی طبع آزمائی کی اور ہر صنف میں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں. ان کی شخصیت کو بنانے میں ان کے خاندان کا بڑا ہاتھ ہے، ان کے والد احمد بشیر صاحب نامی گرامی ادیب، خاکہ نگار، کالم نگار، صحافی اور اپنے دور کے دانشور تھے. نیلم کی پھوپھو پروین عاطف بھی معروف افسانہ و سفر نامہ نگار تھیں. ان کی تینوں بہنیں سنبل شاہد (مرحوم)، بشریٰ انصاری اور اسماء عباس ملٹی ٹیلنٹڈ ہیں، وہ ٹی وی اور شوبز کی دنیا میں بہت نام کما رہی ہیں.

نیلم احمد بشیر کے ادبی و تخلیقی سفر کا آغاز، ان کے پہلے افسانوی مجموعے "گلابوں والی گلی" ۱۹۹۰ء سے ہوا، دوسرا افسانوی مجموعہ "جگنوؤں کے قافلے" ۱۹۹۴ء، تیسرا "لے سانس بھی آہستہ" ۱۹۹۹ء، چوتھا، "ایک تھی ملکہ" ۲۰۰۸ء اور "وحشت ہی سہی" ۲۰۱۳ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز سے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں. اس کے علاوہ مشاہداتی روداد "ستمگر ستمبر"، سفر نامہ "نیپال نامہ"، "خطوں میں خوشبو" خطوں کے مجموعے کی تدوین، خاکے و مضامین کا مجموعہ "چار چاند" اور حالیہ ناول "طاؤس فقط رنگ" ۲۰۱۷ء ان کی تخلیقی خدمات کا حصہ ہیں۔

''وحشت ہی سہی'' نیلم احمد بشیر کا پانچواں شائع ہونے والا مجموعہ ہے، یہ ۲۰۱۳ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور نے شائع کیا۔ اس مجموعے کا انتساب نیلم صاحبہ نے اپنے نواسے 'ساحل' کے نام کیا ہے، وہ لکھتی ہیں:

''اپنی نئی محبت نواسے ساحل کے نام''(۱)

نیلم صاحبہ کا یہ مجموعہ، خاصا طویل ہے اور باقی افسانوی مجموعوں کی نسبت اس کے افسانے بھی طوالت پر مبنی ہیں۔ اس میں کل چھبیس افسانے شامل ہیں۔ ان افسانوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ قیمتی	۲۔ اندر کا رنگ
۳۔ میڈرڈ کی ماریہ	۴۔ عشق کی ایک جست
۵۔ پُشپا اور ثُریا	۶۔ حاجت روا
۷۔ پھول میرا وطن	۸۔ شمیم اور نسیم
۹۔ تیز قدم	۱۰۔ مفلس
۱۱۔ کھڑکی کا منظر	۱۲۔ بابا
۱۳۔ A.B.C.D.	۱۴۔ غلام گردش
۱۵۔ کتوں کی دنیا	۱۶۔ پریم دیوانی

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

۱۷۔ ہست نیست	۱۸۔ وجودِ زن
۱۹۔ اثاثہ	۲۰۔ ستارہ
۲۱۔ دشمن	۲۲۔ ایمان کی طاقت
۲۳۔ بڑی آئی	۲۴۔ آندھی
۲۵۔ ہوک سٹوڈیو	۲۶۔ وحشت ہی سہی

اس مجموعے میں شامل افسانے مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ نیلم احمد بشیر کا یہ مجموعہ ہر لحاظ سے مکمل اور اپنے اندر ایک جہان لیے قاری کو مدعو کرتا ہے۔ اس مجموعے میں موضوعات کی رنگارنگی پائی جاتی ہے، اِن میں بیشتر موضوعات غیر ملکی، نفسیاتی مسائل، ہجرت، عورت، جانوروں کی نفسیات، تارکینِ وطن کی زندگی، نسوانی کرداروں کا موازنہ، پاکستان اور بھارت کی تقسیم پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ مصنفہ روزمرہ کے موضوعات پر بھی سیر حاصل کہانی لکھ کر ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہیں۔ روزمرّہ کے موضوعات میں محبت، ظلم، جبر، انتہا پسندی، اخلاقی قدریں اور معاشرتی ناانصافیاں جو نیلم صاحبہ کے ذہن کو متاثر کرتی ہیں، وہ انھیں افسانے کی شکل میں لکھ کر اس کا نتیجہ قاری پر چھوڑ دیتی ہیں۔

ان کے اس پانچویں افسانوی مجموعے کے موضوعات میں تنوع قدرے زیادہ ہے۔ ہر موضوع دوسرے سے منفرد ہے اور الگ کہانی بیان کرتا نظر آتا ہے، جب کہ نثر میں اندازِ بیان اور شگفتگی کے ذریعے اچھی منظر کشی کی گئی ہے۔ تشبیہات و استعارات کا خوبصورت استعمال مصنفہ کی شدید جمالیاتی حس کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس مجموعے کے بھی کچھ عنوانات شعری اصطلاحات پر مبنی ہیں، اس کی پہلی واضح مثال تو اس مجموعے کا Title ہی ہے۔ مرزا غالب کہتے ہیں :

؎ عشق مجھ کو نہیں ، وحشت ہی سہی
مری وحشت تری شہرت ہی سہی

نیلم احمد بشیر نے اس شعری اصطلاح کو بڑے شگفتہ انداز میں پرکھا اور یہ شاہکار افسانہ تصنیف کیا ہے جس میں وہ غالب کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں۔ اس کے علاوہ 'ادبِ عالیہ' میں شمار کیا جانے والا ان کا ایک روح فرسا افسانہ 'وجودِ زن' ہے، جو علامہ اقبالؒ کے شعر کی شعری اصطلاح سے استعمال ہوا ہے:

ے وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں (علامہ اقبال)

اس کے علاوہ ایک اور افسانہ ''عشق کی ایک جست'' ہے، جس کا عنوان علامہ اقبال کے شعر کے ایک مصرع سے مستعار لیا گیا ہے:

ع عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام (علامہ اقبال)

اس افسانے میں نیلم احمد بشیر مرد، عورت کے درمیان سب سے خوبصورت، مضبوط اور اہم تعلق محبت کے بارے میں اِسی مصرع کے حوالے سے بات کرتی ہیں۔ اس خوبصورت افسانے میں نیلم جہاں ملکوں اور مذہبوں کے تضاد میں پھنسی ہیں وہیں 'محبت' اور 'شادی' میں بھی فرق نہیں کر پاتیں کہ مغربی ممالک میں شادی کے بغیر محبت اور تعلقات استوار رکھے جاتے ہیں، لیکن وہاں سب لوگ پابندیوں اور بیڑیوں سے آزاد ہیں مگر ہمارے تنگ نظر معاشرے میں شادی کرکے بیوی سے محبت نہیں بلکہ اُس پہ 'حکومت' کی جاتی ہے۔ اس male dominating society میں عورت کو اس کے حقوق اس طرح سے نہیں مل رہے جس طرح مختلف مذاہب نے ان کا پرچار کیا ہے۔ کچھ مغربی لوگ اپنے معاشرے کی مادیت پرستی سے تنگ آ گئے ہیں، تنہا ہیں، نفسیاتی مسائل کا شکار ہیں اور محبت کے متلاشی ہیں۔ کہیں Dating system ہے تو کہیں Boy friends کا فیشن، لیکن اگر اس کے متبادل موازنہ کیا جائے تو Feminism کی حمایتی یہ راوی اپنے ملک کے مردوں اور ان کے عورتوں کے ساتھ بے جا سلوک کے بارے میں واضح طور پر لکھتی ہیں:

> ''پاکستانی معاشرے میں حیران کُن تنگ نظری ہے۔ وہاں کیا عورت محض مرد کی ملکیت ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں؟ کیا بیوی سے پہلے وہ ایک جاندار گوشت پوست کا محسوسات سے بھرا ہوا انسان نہیں ہوتی۔'' (۲)

نیلم احمد بشیر نے اس افسانے میں پاکستانی اور مغربی معاشرے کا تقابلی جائزہ کرکے محبت اور شادی کے دو خوبصورت بندھنوں کا بھی موازنہ کیا ہے۔ آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ محبت میں ہر نفسیاتی، معاشرتی اور تہذیبی مسئلے کا حل ہے۔ وہ عشق ہی ہے جس کی وجہ سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان سب سے خوبصورت رشتہ یہی ہے اور جہاں محبت اور عشق نہ ہوں گے وہاں تنہائی، بربریت، تخریب کاری اور نفسیاتی مسائل پیدا ہوں گے، تو آخر میں نیلم احمد بشیر علامہ اقبال سے اتفاق رائے کرتی ہیں کہ:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (علامہ اقبال)

جس طرح عشق مرد اور عورت کے درمیان ایک نازک احساس اور مضبوط رشتہ ہے، اسی طرح اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ جس ربِ کائنات نے ہمیں پیدا کیا اُسی کی ذات سے اگر عشق کر لیا جائے تو دونوں جہان مل جائیں گے۔ صرف اُس کی ذات سے اگر لُو لگا لی جائے تو ہر طرح کی معاشی، معاشرتی، نفسیاتی نا آسودگیاں حل ہو جائیں گی۔ مگر آج کا انسان دوہرے معیار اور تضادات کی وجہ سے نہ دین کا رہا نہ دنیا کا۔ انھی دوہرے معیارات اور رویوں کی بارے میں نیلم صاحبہ اپنے قلم کا عصا لیے کھڑی ہیں کہ انسان کب سدھریں گے۔ زندگی میں اگر انسان ظاہری طور پر نمازی پرہیزی ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تمام ارکانِ دین پر عمل پیرا ہوتا ہے، سخاوت بھی کرتا ہے مگر ہے تو سب دکھاوا کیونکہ اس کے باطن میں کچھ اور ہے اور ظاہر میں کچھ اور۔ اِنھیں Double standards والے انسانوں کی عبادات کیا رب کے حضور پیش ہو جاتی ہوں گی؟ ان کے ظاہر اور باطن میں اتنا تضاد ہے، تو کیا ۴، ۵ حج کر لینے سے ان کے گناہ ڈھل جاتے ہوں گے؟

اللہ نے اگر انسانوں کو پیدا کیا تو اس کا ایک خاص مقصد تھا تاکہ یہ انسان بنیں، ان میں اختلافات نہ ہوں، عبادت بھی کریں، حقوق العباد کا خیال بھی رکھیں اور دنیاوی زندگی کو بھی ساتھ لے کر چلیں تبھی تو انھیں ''اشرف المخلوقات'' بنایا، نہیں تو اللہ کی عبادت کو دن رات فرشتے اسی کام پر مامور ہیں۔ مگر افسوس! مولانا حالی اسی تناظر میں کہتے ہیں:

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ (مولانا حالی)

''حاجت روا'' افسانے میں کہنے کو تو حاجی صاحب نیک روح، رحمدل اور غریب پرور انسان تھے مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ باطن میں انھوں نے ہیجڑوں سے اپنے تعلقات استوار کیے ہوتے ہیں اور دنیا سے جاتے جاتے بھی ایک ہیجڑے پر اپنی سخاوت نچھاور کر جاتے ہیں۔

اس افسانے کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''چوتھے حج کے بعد حاجی صاحب کا مکہ میں انتقال ہو گیا تو ساری مارکیٹ رنج والم میں ڈوب گئی... ہیجڑوں اور بھک منگوں نے حاجی صاحب کی رحلت کا بہت غم کیا... جب پیٹ کے اندر

انتڑیوں نے بھوک کا رقص کرنا شروع کر دیا تو ہیجڑے مجبور ہو گئے اور دس دن بعد ہی سوگ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔"

"سِلی کون"(nocilis)؟ ریما کو کچھ سمجھ نہ آئی۔ "اصلی کی طرح ہوتی ہیں۔ جھلیئے... تجھے بتایا نہیں الماس نے حاجی صاحب حج پہ جانے سے پہلے خود لگوا کر دے گئے تھے..." بلّو باجی نے جھلی ریما کو آنکھ مار کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔" (۳)

اگر دیکھا جائے تو نیلم احمد بشیر کے اس افسانے میں "ابہام" کی بڑی خوبصورت اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حاجی صاحب کی سخاوت اور دین سے لگاؤ Symbolism کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں، جو کہ اس افسانے کے ٹائٹل سے واضح ہے۔

"حاجت روا" کے بارے میں جمیل یوسف اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میں محترمہ نیلم احمد بشیر کے افسانے "حاجت روا" کے بارے میں برملا کہتا ہوں کہ یہ ادب پارہ، ادب عالیہ ہے۔ 'منٹو' اور 'موپساں' جیسے عظیم ادیبوں کے افسانوں کے ہم پلہ ہے۔ موضوع نیا نہیں ہے۔ یہ وہی موضوع ہے جو صدیوں سے ادب عالیہ کا موضوع رہا ہے۔ حافظ شیرازیؔ نے کہا تھا :

واعظاں کایں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارے دیگر می کنند

آپ نیلم صاحبہ کے فنی کمال کو دیکھیں۔ اتنا مختصر افسانہ اور وحدتِ تاثر اور شدت تاثر سے بھرپور، پھر اسلوب بیان ایسا کہ قاری عش عش کر اُٹھے۔ نیلم احمد بشیر کا اسلوب نہایت دل پذیر ہے۔ شیکسپیئر نے کہا تھا : Brevity is the soul of wit. یہ افسانہ اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس افسانے کا اختتام قاری کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔" (۴)

نیلم احمد بشیر کے زیادہ تر افسانوں کے بارے میں یہی وحدتِ تاثر ہے، کیونکہ ان کی کہانیاں حقیقی موضوعات پر مبنی ہوتی ہیں جو ہمارے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔ اسی لیے پڑھتے ہی دل میں اُترتی جاتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم ایسی کہانیاں دیکھ کر مُنہ موڑ لیتے ہیں، ہمیں گھِن آتی ہے اور ہم اپنی کم فہمی سے نظر انداز کر دیتے ہیں مگر نیلم صاحبہ کا حساس قلم یہ برداشت نہیں کر سکتا اور وہ حقیقی معنوں میں کہانی لکھ کر ہمیں اس موضوع کی تمام چیزوں سے روشناس کرواتی ہیں۔

ان کے افسانے پڑھ کر ایک تاثر یہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے کہ نیلم احمد بشیر تنہائی کی وجہ سے حساس ہو گئی ہیں ان کے ہر افسانے میں اس کا بیان ہے اور چونکہ نیلم صاحبہ کی کہانیاں اپنی حقیقتوں کو خود نہیں تراشتیں بلکہ ان کی کہانیاں حقیقتوں کی کہانیاں ہیں۔ ان کے افسانے پڑھ کر یقین ہوتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اپنے دور کے بنیادی سماجی ڈھانچے سے پیوست ہیں۔ یہاں ہزاروں رفاہی ادارے، انسانوں کے حقوق کے لیے سرگرم تنظیمیں، ورلڈ ہیلتھ آگنائزیشن اور نام نہاد غیر ملکی ایجنسیاں ہیں مگر عورتوں کے حقوق، تحفظ، صحت اور مختلف معاشروں میں ہو رہی ان کے ساتھ بربریت کے خلاف آواز کون اٹھائے گا؟ نیلم صاحبہ اکیلی ہی اپنے نحیف و نزار کندھوں پر یہ ذمہ داری لیے نگر نگر گھومتی ہیں اور متلاشی ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا ملک مل جائے، مگر وہ ناکام رہتی ہیں۔ ہر جگہ، ہر ملک، ہر معاشرے میں انھیں کوئی نہ کوئی نسوانی استحصال کی شکار عورت مل ہی جاتی ہے۔

نیلم احمد بشیر Realism اور Feminism کی ترجمان ہیں۔ ہر دوسری عورت کے دکھ درد کو سمجھ کر اپنے حساس قلم اور فلسفیانہ و مفکرانہ ذہن سے نیلم کہانیاں تحریر تو کر دیتی ہیں مگر پھر لاشعوری طور پر اپنی ذات کو بھی اُس کہانی کا حصہ بنا دیتی ہیں۔ یہی تو ایک اچھے تخلیق کار کی نشانی ہے کہ وہ دوسروں کے دکھ درد، کہانیوں اور ناانصافیوں کو اپنی ذات کا حصّہ بنا کر ایسی صورت میں پیش کریں کہ کہانیاں دل میں اترتی جائیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید سعید نقوی لکھتے ہیں کہ:

> ''میرے خیال میں ہر تخلیق کار اپنی ذات کے لیے لکھتا ہے۔ کوئی انہونی، کوئی ناانصافی، کوئی دلچسپ بات دیکھ کر اس کے دل و دماغ میں جو کہرام اٹھتا ہے اسے دبانے کے لیے وہ تخلیقی عمل کا سہارا لیتا ہے تاکہ دوسری صبح جب وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو تو کہہ سکے کہ میں نے اپنے اندرون کا امن و امان بحال کر دیا ہے۔ یوں اس کی ذات سکھ کا سانس لینے لگتی ہے تا وقت یہ کہ وہ کسی نئی ناانصافی، کسی نئے دلچسپ Phenomenon کا سامنا کرے۔'' (۵)

نیلم احمد بشیر اپنے افسانوں میں حقیقت نگار اور تحریکِ نسواں کی سرگرم کارکن بن کر سامنے آتی ہیں۔ نیلم احمد بشیر نے ڈھیروں افسانوں میں جہاں ہمیں اتنی حقیقتوں کا سامنا کروایا اور تحریکِ نسواں کے لیے آواز اٹھائی، وہاں اُن کا یہ افسانہ 'وجودِ زن' جس کے تناظر میں ساری بحث کی گئی ہے اپنی پوری بربریت کے ساتھ ظلم اور زیادتی کر دینے کے لیے تیار ہے۔ اس افسانے میں تو عورتوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی انتہا کو پہنچ گئی، حوّا کی بیٹیوں کو سرعام بربریت کا نشانہ بنا کر انھیں کس جُرم کی سزا دی جا رہی ہے؟ صرف یہی کہ خدا نے حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا

کیا! تو کیا اس بات کی سزا ازل سے ابد تک اُسے ملتی رہے گی۔ اِسی 'وجودِ زن' سے 'کائنات میں رنگ' تو بھر لیا جاتا ہے مگر یہ کوئی حساس دل ہی سمجھتا ہے کہ عورت کو یہاں تک پہنچنے میں کن عذابوں، مشکلات اور بربریت سے گزرنا پڑتا ہے۔ چلیے نیلم احمد بشیر کی زبانی اسے آپ تک پہنچاتے ہیں :

> ''ہاتھی گاؤں میں نوجوان بچیوں کے ختنے کرنے کی رسم ادا ہونے جا رہی تھی... یہ ایک قدیم رسم ہے جس کے ڈانڈے تاریخ میں بہت دور تک جا کے ملتے ہیں۔ قبل از مسیح زمانوں اور فرعونوں کے دور میں بھی عورت کے ختنے کر دیے جاتے تھے... اسی طرح پندرھویں صدی تک یورپ کے مرد جنگوں پہ روانہ ہونے سے قبل اپنی خواتین کو آہنی عفت پیٹی پہنا کر قفل بند کر جاتے تھے تاکہ ان کی غیر حاضری میں وہ صابر اور وفادار رہ سکیں۔ آج افریقی ممالک میں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اب بھی مُلّاؤں کے اصرار پر یہ پریکٹس جاری و ساری رکھی جاتی ہے تاکہ عورت کا تقویٰ اور پاکبازی برقرار رکھی جا سکے۔ مصری عورتوں کے وقار کے لیے یہ ضروری ہے ورنہ زندگی میں انھیں نہ محبت ملتی ہے نہ عزت۔''(۶)

بے شک یہ سو فیصد صحیح مسئلہ ہے اور اُن پسماندہ علاقوں میں لوگوں کی پنچ سوچ بس یہاں تک ہی جا سکتی ہے۔ ''عورتوں کا تقویٰ، عورتوں کی پاکبازی، عورتوں کی وفاداری'' کیا ہے یہ سب؟ کیا یہ آج کی اکیسویں صدی کی جدید دنیا کے خیالات ہیں؟ کیا آج کے حاجی رفاقت علی، (''مردوں والا کام'' کا کردار) شیرے، (''وحشت ہی سہی'' کا کردار) سجاد اور ڈاکٹر قریشی ('ستارہ' کے کردار) سے کوئی پوچھنے والا نہیں؟ ان مردوں کی وفاداری، صبر اور پاکبازی کو کوئی نہیں پوچھتا، زمانہ جاہلیت کی جو مکروہ رسم و روایات چلتی آ رہی ہیں وہ کبھی ختم نہ ہوں گی، ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گی۔ چاہے آج کی جدید دنیا چاند، مریخ یا مشتری پر پہنچ جائے۔ مردوں کی سوچ اور عورتوں کے حقوق دبے کے دبے ہی رہیں گے، اُن پر نہ تو کوئی چیخ اثر کرتی ہے نا بربریت نا کوئی واسطہ۔ کیونکہ یہ سب مظلومیت عورت کے حصے میں اور حکومت و حاکمیت مرد کے حصے میں آئی ہے۔

درج ذیل اقتباسات توجہ کے متقاضی ہیں:

> ''جھونپڑی سے آوازیں آ رہی تھیں۔ اگر خوف اور دہشت کی کوئی آواز ہوتی تو وہ وہی تھی۔ انھیں رونا تو نہیں کہا جا سکتا بس ایک آہوں، سسکیوں اور چیخوں کا مسلسل شور تھا۔ جس کی

وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی... ساتھ ہی لمبے لمبے چوغوں میں ملبوس گاؤں کے بڑے بوڑھے کھجوروں کے جھنڈ تلے بیٹھے سکون سے حقہ نوشی کر رہے تھے۔'' (۷)

ڈاکٹر سیّد سعید نقوی بھی 'وجودِ زن' پر نیلم احمد بشیر کو داد دیتے نظر آتے ہیں:

''جب افریقہ میں نیلم کو نو عمر لڑکیوں کی Circumcision سے دکھ پہنچتا ہے تو اس کا قلم اس دیوانگی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ افسانہ 'وجودِ زن' اس حساس موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں یہ ظلم بھی اس فنکاری سے بیان ہوا ہے کہ آپ کی طبع لطیف پر گراں گزرے بغیر آپ کے جسم کے ہر رونگٹے کو کھڑا کر دے یا آپ کی انسان دوستی کے لیے روح فرسا سوال بن کر کھڑا ہو جائے۔ نیلم نے اس ساری واردات کو کتنی خوبصورتی سے محض ایک جملے میں بیان کر دیا ہے کہ ''میرا وجود سلامت ہے اسے کترا نہیں گیا تھا۔'' گویا بربریت کی ایک پوری تاریخ فنکارانہ مشاقی سے ایک جملے میں بیان ہو گئی۔'' (۸)

معلومات، موضوعات اور عنوانات کی رنگا رنگی کی وجہ سے یہ مجموعہ ادبِ عالیہ میں جلد ہی اعلیٰ مقام حاصل کر لے گا۔ بس ''دنیا کے جاگنے'' کی دیر ہے۔ اس میں ایسی ایسی اصطلاحات، استعارات اور اسلوبِ بیان ہے کہ ہر افسانے کے تجزیے پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہی اسلوب بیان تو کہانی نویس، افسانہ نگار اور قلم کار کی پہچان ہوتی ہے۔ عام طور پر ''ایک افسانے کے چار اہم عناصر ہوتے ہیں: افسانہ نگار (کہانی نویس)، قاری، کہانی اور اندازِ بیان۔'' نیلم احمد بشیر کے تمام افسانوں میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ افسانہ لکھتے ہوئے، قاری کی انگلی پکڑ کر اُسے کہانی کے چاروں مراحل پر لے جاتی ہیں، جن میں ابتدائی، ارتقائی، نقطۂ عروج اور اختتام ہوتا ہے۔ اختتام کے مرحلے پر وہ نتیجہ قاری پر چھوڑ دیتی ہیں، خود یہ واحد متکلم اگلی کہانی لکھنے لگ جاتی ہیں اور قاری پچھلی کہانی کے سحر اور اندازِ بیان میں کھو جاتا ہے۔ کچھ افسانہ نگار قاری اور کہانی کی پروا کیے بغیر روداد پہ روداد لکھتے چلے جاتے ہیں۔ نیلم اپنے قاری کی تربیت اور بالیدگی کا خیال رکھتی ہے اور مقصدی پہلو کو ذہن میں رکھ کر افسانہ لکھتی ہیں کہ نہ صرف قاری افسانے میں چھپی کہانی اور حقیقت کو سمجھے بلکہ اُسے ایک اخلاقی سبق اور مقصدیت بھی حاصل ہو۔ نیلم احمد بشیر کے اس مجموعے کے ایک اور خوبصورت افسانے ''اندر کا رنگ'' میں بھی نیلم صاحبہ نے ایک اخلاقی سبق دیا ہے۔ گورا اور کالا رنگ، امیری اور غریبی، حساس طبیعت اور خوبصورتی تو سب خُدا کی دین اور مقدر کے کھیل ہیں، لیکن انسان کو اس کی انا اور معاشرتی حیثیت کا غرور ختم کر دیتا ہے، احساسِ محرومی کو ان جذبوں سے ختم نہیں کیا جا

سکتا نہ ہی غریب کو اتنا دبانا چاہیے کہ وہ دبتا ہی چلا جائے اور ایک دن وہ مجبور ہو کر ''اپنا رنگ'' دِکھا دے، نہ ہی امیر کو اتنا ظالم ہونا چاہیے کہ ظلم کی انتہا ہو جائے۔ اسی لیے معاملات میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کو پسند کیا گیا ہے۔

اس افسانے کی منظر بندی میں وہ ایسی مثالیں استعمال کرتی ہیں کہ تمثیل کو اپنی اصطلاح کے لیے سہارا مل جاتا ہے، اقتباسات سے چند مثالیں واضح ہیں:

''شکل و صورت ایسی تھی کہ اللہ میاں کے بچے ہی کہلائے جاسکتے تھے۔''

''اسے شدت سے احساس ہونے لگا کہ مدّت ہوئی اس بدن کے صحرا پر ابر ٹوٹ کے نہ برسا۔''

''ان کا ہم نفس، ہم قدم فوجی کب کا پسپا ہو چکا تھا اور فتوحات کے زمانے لد چکے تھے۔''

''بُتِ رعنا نے مستعدی سے سلیوٹ مارا تو ایک بار تو کرنل سبحان بھی مبہوت ہو کر اسے تکنے پر مجبور ہو گئے... ''شکر ہے میرے گھر کوئی جوان بیٹی نہیں ہے۔'' کرنل سبحان نے دل ہی میں خدا کا شکر ادا کیا۔'' (۹)

نیلم احمد بشیر کا یہ مجموعہ زیادہ تر فوجی مناظر اور اس کے مضمرات میں لکھا گیا ہے۔ 'پشپا اور ثریا'، 'بابا'، 'دشمن' اور 'اندر کا رنگ' اسی تناظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ اس مجموعے میں ہمیں اسپین، مصر، افریقہ اور امریکہ کے جو حالات ملتے ہیں وہ مصنفہ کی ذاتی کاوش سے ہیں، نگری نگری گھوم کر نیلم صاحبہ نے اپنی زنبیل میں مختلف کہانیاں اور تمثیلیں بھر لی ہیں اور پھر افسانوں کی صورت میں انھیں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں ہر شعبہ ہائے، ملک اور علاقے کی معلومات، جغرافیہ، تاریخ اور فلسفہ و فکر کے ساتھ ادبی اصطلاحات کا خوبصورت استعمال کر کے افسانوں کو مرقع بنا دیتی ہیں۔ یہ حقیقت پسند جدید افسانہ نگار ہر جگہ اور معاشرے کی نفسیات، معلومات، کرداروں کے نام اور نشست و برخاست اُسی امتزاج سے کرواتی ہیں جس پہ افسانہ لکھ رہی ہوتی ہیں۔ ''اثاثہ'' افسانہ اسی حوالے سے تمام تر رنگینیوں کا غماز ہے۔ افریقہ کی صحرائی زمین جس پہ روز نجانے کتنے لوگ لقمہ اجل بنتے ہیں۔ صومالیہ کے ایک دور دراز گاؤں ''حرف'' پر بھی قحط ٹوٹ پڑا تھا۔ اس افسانے کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''مٹی کا پیالہ کہلائے جانے والا ملک'' بھوک کا پیالہ'' بن چکا تھا۔''(۱۰)

تشبیہ و استعارہ اور معلومات کے پہلو بھی اسی افسانے میں موجود ہیں:

''ڈی بیئرز (Debeers) نامی یورپی کمپنی نے بڑے زمانوں سے افریقہ کی کانوں سے ہیرے نکالنے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ وہ مقامی افراد کو کانوں میں بھیجتے اور وہاں سے کچے، بے ساخت، ناتراشیدہ ہیرے نکلوا کر اپنے ترقی یافتہ کارخانوں کو بھیجتے جہاں انھیں کیمیائی عمل سے مناسب ساخت کے ہیروں کی شکل دی جاتی... حسین انگلیوں اور کرسٹل وائن گلاسوں جیسی نازک گردنیں رکھنے والی نازنینیں ان گلوبندوں سے خود کو سجاتی سنوارتی ہیں تو انھیں کب خبر ہوتی ہے کہ ان چمکتے دمکتے پتھروں میں محنت کے پسینے اور خون کی بوندوں کی کتنی آمیزش ہوتی ہے۔'' (۱۱)

اس افسانے میں افریقہ کے علاقوں میں پھیلی وحشت، بھوک، پیاس، افراتفری اور پامالی کی حقیقت کا بہت بھلے انداز میں بیان ہوا ہے۔ نیلم صاحبہ ایک جگہ لکھتی ہیں:

''ڈاکو اس سے روٹی اور پانی تو نہ لُوٹ سکے مگر ایک دو نے آگے بڑھ کر عورتوں کو پامال کرتے ہوئے عمارہ کو بھی روند ڈالا۔ بھوک بہت ستائے تو عام لوگ بھی ڈاکو بن جاتے ہیں مگر عمارہ کو اب کوئی ظلم بھی ظلم اور زیادتی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے لیے ہر چیز بے معنی اور بے حیثیت تھی، اس کی اپنی عزت بھی... شکر ہے میں ہم لوگوں کے لیے روٹی اور پانی بچا لینے میں کامیاب رہی۔''(۱۲)

ان افسانوں کے علاوہ بہت سے افسانے غیر ملکی نوعیت کے موضوعات پر لکھے گئے ہیں جن میں کہیں مذہب کا بیان ہے تو کہیں معاشرہ اور کلچر کا تضاد، کہیں مشرقی روایات مغرب میں اہم کردار ادا کرتی ہیں تو کسی افسانے میں مغربی لوگ ۹/۱۱ اور تخریب کاری کی وجہ سے مشرقی لوگوں کو ''اپنا آپ''، اپنی اصلیت دکھاتے ہیں کہ وہ کتنے دوغلے ہیں۔ ان افسانوں میں 'میڈرڈ کی ماریہ'، 'ہست نیست'، 'بڑی آئی'، 'ستارہ' 'A.B.C.D.'، 'پھول میرا وطن' اور 'کھڑکی کا منظر' اسی طرح کے افسانے ہیں جب کہ 'ہوک سٹوڈیو'، 'ستارہ'، 'کُتوں کی دنیا'، 'آندھی'، 'مفلس' اور 'قیمتی' خاص ہمارے مشرقی ماحول، روایات اور دیگر درپیش مسائل پر لکھے گئے ہیں۔

اب اس افسانوی مجموعے کے مرکزی افسانے ''وحشت ہی سہی'' کا جائزہ لیتے ہیں، جس کو مجموعے کا Title بھی دیا گیا۔ نیلم صاحبہ جہاں ضمیر، جستجو، اخلاقیات اور انسانی قدروں کی بات کرتی ہیں وہیں ان کے معاشرے کی کوئی عورت کرب اور گھٹن کا شکار ہو کر خود ہی اپنا آپ ختم کر لیتی ہے۔ ہمارے ارد گرد پھیلی جہالت، جبر، تعصب

اور افلاس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں جن کی چکّی میں عورتیں گُھن کی طرح پس رہی ہیں۔ معاشرے میں دندناتے مرد اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتے ہیں اور تھکی ہاری عورت آخر میں پھر بھی اسی کی شہرت میں چار چاند لگاتی ہے اور خود کو دکھوں کا عذاب دے کر دوبارہ 'وحشت ہی سہی' کا ورد شروع کر دیتی ہے۔ اس افسانے میں نیلم صاحبہ کی تلخی اور طنزیہ انداز کی دھار بہت تیز ہے۔ لیکن ان کی تحریر اتنی ہی سلیس، متنوع اور رواں ہے۔ ان کے افسانوں کا حسن قدرتی ہے۔ زیرِ تجزیہ افسانے میں شمالی علاقہ جات کی ایک دُکھ درد بھری کہانی ہے، جسے کچھ یادوں، حال اور مستقبل کی کشمکش میں تحریر کیا گیا ہے۔ زلزلے کے بعد آنے والی تباہی نے شمالی علاقہ جات کے حُسن کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حُسن، دل اور جذبات کو بھی سرد کر دیا ہے۔ مگر پھر خود کو حالات کے حوالے کرتے ہوئے مرزا غالب کے اس شعر کی تقلید کی جاتی ہے:

؎ عشق مجھ کو نہیں ، وحشت ہی سہی
مِری وحشت تری شہرت ہی سہی (غالب)

اس افسانے کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں جن میں منظر نگاری، اصطلاحات، منفرد اندازِ بیان اور خوبصورت نثر نگاری نکھر کر سامنے آتی ہے۔

> ''شکر ہے ان کا گھر کئی زور دار جھٹکے کھانے کے باوجود قائم رہا تھا۔ انگریز راج کا بنایا ہوا، وادی کے مضبوط پتھروں سے تعمیر شدہ یہ بڑا سا پرانا گھر کسی وکٹورین عہد کے لکھے گئے ناولوں میں سانس لیتا محسوس ہوتا تھا۔ زبیدہ خیالوں خیالوں میں سوچتی، میں بھی شاید جین آئر (Jane Eyre) کی طرح اس بڑے قلعے نما گھر میں تنہا بھٹکتی کوئی روح ہوں۔'' (۱۳)

نیلم صاحبہ نے اس افسانے میں تشبیہات کا استعمال، موازنہ اور ماحول کی تصویر کشی عمدہ انداز میں کی ہے۔ ان کا اندازِ بیان، منظر کشی اور شمالی علاقہ جات کی رنگینی منفرد انداز میں پیش کر کے اس افسانے کو یادگار بنا دیا ہے، اوپر سے اس کا عنوان لا جواب ہے. ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''گھر کے چاروں طرف خوبصورت پھولوں اور رسدار پھلوں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ قریب بہتے ٹھنڈے میٹھے کھنکھناتے جھرنوں کی مدھر آواز سن کر اماں اکثر گنگنانے لگتیں۔ اماں کی آواز بہت اچھی تھی اور انھیں بہت سے میٹھے میٹھے پرانے گیت یاد تھے۔ اس لیے

اکثر چاول بینے یا دال میں بگھار لگاتے، ان کی زبان سے نغمے جاری رہتے۔ ان کی پسندیدہ گلوکارہ نور جہاں کی ٹیپ ان کے کیسٹ پلیئر میں مستقلاً لگی رہتی۔'' (۱۴)

مجموعی طور پر نیلم احمد بشیر کا یہ مجموعہ رومانی اسلوب، فکر، فلسفہ اور ساتھ ساتھ حقیقت پسندی کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ انھوں نے حقیقت نگاری، معاشرتی اونچ نیچ، طبقاتی تقسیم و تضاد، ملکی و غیر ملکی تارکینِ وطن کے مسائل، عورت کی نفسیات اور مسائل کے موضوعات کو نئے زاویوں سے متعارف کروایا۔ بیشتر افسانوں کے کردار اور ہیئت افسانوی معلوم ہوتے ہیں اور روداد کی جھلک نظر آتی ہے، وہ کہیں باطنی تجربوں کے گرد کہانی بنتی نظر آتی ہیں تو کہیں بیرونی متنوع موضوعات پر لکھتی ہیں۔ ان کا قلم سلاست اور میانہ روی سے اپنے قاری کو ہمیشہ ہم پلہ سمجھتا ہے۔ اس افسانے میں گو تلخی اور کاٹ کا عنصر نمایاں ہے، کیونکہ نیلم صاحبہ اصلاحِ معاشرہ کرنا چاہتی ہیں مگر آئین، معاشرہ، اخلاقی قدریں اور سماج ان سب کا کیا کیا جائے جو انسان اور خاص کر عورت کی شخصی آزادی چھین لیتے ہیں۔ کیونکہ نیلم صاحبہ کی جڑیں اپنے سماج میں پیوست ہیں اس لیے وہ کرب، تلخی اور طنز صرف اس لیے کرتی ہیں تاکہ قاری سمجھ جائے اور ان کے پیش کردہ افسانوں میں تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھیں۔ اس مجموعے کے اختتام پر نیلم صاحبہ کے چہیتے 'منو بھائی' (منیر احمد قریشی) کا 'وحشت ہی سہی' پر ایک تبصرہ پیش خدمت ہے:

''اپنے افسانوں کے تازہ ترین مجموعہ ''وحشت ہی سہی'' میں نیلم احمد بشیر نے میری مذکورہ بالا ('گلابوں والی گلی' میں کی جانے والی) پیش گوئی کو صحیح ثابت کرتے ہوئے جرأت، ہمت اور مردانگی کے چند نئے قدم اُٹھانے کا مظاہرہ کیا ہے۔ بلاشبہ آزادئ اظہار کی نئی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے افسانہ 'وجودِ زن' میں خواتین کے ختنے کے دردناک آپریشن کے موضوع کو نیلم کے ہنر مند ہاتھوں کے سلیقے ہی کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ 'قیمتی'، 'پشپا اور ثریا'، 'پھول میرا وطن'، 'غلام گردش' اور 'پریم دیوانی' کے عنوان رکھنے والے افسانوں کو ہر رنگ اور مہارت سے لکھنے میں کامیاب ہوئی ہیں اور میرے اس یقین کو اور زیادہ مضبوط کیا ہے کہ آنے والے وقتوں کے ادبی تبصرہ نگار اگر مختصر افسانوں کی کہانی بیان کرتے وقت

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

منٹو، اشفاق احمد اور منشا یاد کو یاد کریں گے تو نیلم احمد بشیر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔" (۱۵)

حوالہ جات

۱۔ نیلم احمد بشیر، 'وحشت ہی سہی'، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳

۲۔ ایضاً، افسانہ: 'عشق کی اک جست'، ص ۴۴۔۴۵

۳۔ ایضاً، افسانہ: 'حاجت روا'، ص ۵۰۔۵۲

۴۔ جمیل یوسف، تبصرہ: افسانہ 'حاجت روا'، نیلم احمد بشیر، لاہور: ماہنامہ الحمراء، جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۵

۵۔ ڈاکٹر سید سعید نقوی، مضمون: 'بدلتے زمانوں کی افسانہ نگار'، نیلم احمد بشیر، راولپنڈی: ادبی رسالہ چہار سُو، جنوری، فروری ۲۰۱۴ء، ص ۹۲

۶۔ 'وحشت ہی سہی'، افسانہ: 'وجودِ زن'، ص ۱۶۲۔۱۶۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۸۔ ڈاکٹر سید سعید نقوی، ایضاً، ص ۹۲۔۹۳

۹۔ وحشت ہی سہی، افسانہ: 'اندر کا رنگ'، ص ۲۲۔۲۴

۱۰۔ ایضاً، افسانہ: 'اثاثہ'، ص ۱۷۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۲۔۱۸۳

۱۳۔ ایضاً، افسانہ: 'وحشت ہی سہی'، ص ۲۲۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۲۵۔۲۲۶

۱۵۔ مُنو بھائی، مضمون: 'گلابوں والی گلی سے وحشت ہی سہی تک...' گریبان، لاہور، کراچی: روزنامہ جنگ، جون ۲۰۱۴ء